عالم خیال

منشی احمد علی شوق قدوائی

عالمِ خیال

جدید

جس کو بیگم صفدر علی اور شیخ مقبول حسین قدوائی، بیرسٹر ایٹ لا کی تحریک سے

شیخ احمد علی شوق قدوائی مرحوم نے از سرِ نو مرتب کیا

حسب فرمایش بیگم صفدر علی

میتھوڈسٹ پبلشنگ ہوس لکھنؤ مین چھپا

۱۹۲۵ء

طبع اول یکہزار جلد

عالمِ خیال

میرے اِس اندوہ و حسرت کا اظہار ممکن نہیں کہ اتفاقات زمانہ سے اس بے نظیر نظم کی طبع میں اس قدر تاخیر ہوئی کہ اِس کے ممتاز مصنف حضرت شوق قدوائی اُس کو اِس نئے لباس میں خود نہ دیکھ سکے۔ یہ نظم مرحوم کو اپنے تمام کلام میں سب سے زیادہ محبوب تھی اور اسپر اُنھوں نے اپنا بڑا وقت اور بڑی قوت کلام صرف فرمائی۔ سب سے پہلے اِس کے چاروں رخ مختلف سالوں میں شایع ہوئے۔ پھر ایک کتاب کی شکل میں ایک تصویر کے ساتھ اِس کی اشاعت ہوئی اُس وقت بھی یہ تصنیف ملک میں عام طور پر بہت مقبول ہوئی۔ چار قابل سخن فہموں نے چاروں رخوں پر فاضلانہ تقریظیں لکھیں اور ہمارے صوبے کے مشہور زبان داں جناب منشی پیارے لال صاحب شاکر میرٹھی نے ایک بلیغ مقدمے سے اُس کے جوہر دکھائے۔ اُس وقت اِس کی صورت یہ تھی کہ پہلے رُخ میں مہجور بیوی اپنے خیال سے باتیں کرتی دکھائی گئی تھی۔ دوسرے رُخ میں اُسی عورت کی طرف سے اپنے پردیسی شوہر کے نام ایک خط تھا۔ تیسرے رخ میں شوہر کی طرف سے اس خط کا جواب تھا اور چوتھے رُخ میں عورت کی طرف سے شوہر کی آمد کے انتظار میں پھر اظہار خیالات۔ مَیں نے حضرت مصنّف مرحوم سے گذارش کی کہ دوسرے اور تیسرے رُخوں پر عالم خیال کا صحیح اطلاق نہیں ہوتا کیونکہ کتابت عالم مقال سے زیادہ تعلق رکھتی ہی۔ مرحوم نے میری اِس عرضداشت کو قبول و پسند فرمایا اور ساری نظم پر نظر ثانی کرنے کو طیار ہو گئے۔ چنانچہ طبع حال اسی نظر ثانی کا نتیجہ ہی۔

خط اور خیال میں جو فرق ہی وہ صاحبانِ نظر سے پوشیدہ نہیں۔ خط میں جو بات آدمی نہیں لکھ سکتا ہی وہ آزادی سے خیال میں لا سکتا ہی۔ کوئی شریف ہندوستانی عورت اور خاص کر مسلمان اپنے شوہر سے بھی اپنی

محبت کا بے روک اظہار نہیں کر سکتی چاہے وہ تحریر ہی کے ذریعہ کیوں نہ ہو۔ کچھ تو شرم اس میں مانع ہوتی ہی اور کچھ خودداری۔ یہ خودداری عورت کی خاص شان ہی۔ مسلمان عورتوں کی تخصیص میں نے اس لئے کی ہی کہ ان میں یہ شان اردو شاعری نے زیادہ کر دی ہی۔ سنسکرت اور بھاشا میں محبت کا اظہار عام طور پر عورت کی طرف سے درست قرار دیا گیا ہی برخلاف اس کے اردو شاعری میں ایسا اظہار مرد ہی کی طرف سے ہوتا ہی یہاں تک کہ تقریباً ہر عورت اسکو اپنا حق سمجھنے لگی ہی۔ لیکن یہ محض اظہار ہی تک ہی ورنہ محبت کا وہ بے پایاں سمندر جو ہندوستانی عورتوں کے دل کے کوزے میں بند ہی مرد کے دل میں سما ہی نہیں سکتا۔ بلکہ دراصل اُن کو اس کا اندازہ کرنا بھی دشوار ہی۔ اس محبت کا اظہار اقوال سے شاذونادر ہی ہوتا ہی لیکن خیالات پر اُس کا کامل قبضہ رہتا ہی یہ خیالات عورت کے دریائے محبت کی وہ لہریں ہیں جو دل کے اندر ہی اندر پیدا ہوتی رہتی ہیں اور کسی کی نظر اُن تک پہونچ نہیں پاتی۔ میں اس شاعری کو اعجاز کہنے پر مجبور ہوں کہ مصنفؔ "عالم خیال" کی نظر عورت کے دل کی تہہ تک پہونچ گئی اور اُنھوں نے اُس کے خیالات کی تصویر کھینچ کر دنیا کے سامنے پیش کر دی۔

مجھے بہت افسوس ہے کہ ان تبدیلیوں کی وجہ سے اس کا موقع باقی نہیں رہا کہ تمام و کمال سابقہ تقریظوں اور مقدمے سے اس نظم کی مزید زینت قائم رکھی جائے۔ کوئی شک نہیں کہ یہ تنقیدیں بجائے خود دلآویز اور قابل دید ہیں۔ بقول حضرت شاکر کے "ہر ریویو اپنے رُخ کے ہر حُسن کو سخن فہموں کی نگاہوں کے سامنے یوں پیش کر رہا ہے اس طرح آفتاب دنیا کی سب چیزوں کو نظارے کے روبرو پیش کر دیتا ہے"۔ لیکن اب مضامین اور اشعار کے تغیر کے ساتھ ان ریویوز سے سابقہ لطف کا حاصل ہونا ممکن نہیں اس لئے میں بصد افسوس اُن سے اس طبع کو محروم کرنے پر مجبور ہوں۔ ریویو لکھنے والے حضرات جناب شیخ مشیر حسین صاحب قدوائی جناب محمد سلیمان صاحب بیرسٹر۔ جناب سید مقصود علی صاحب آسیونی اور جناب سید شبیر حسن صاحب ستھے۔

ان سب صاحبوں نے بغیر فرمائش اپنے ذاتی جوش سے ریویو لکھے تھے۔

حضرت مصنف مرحوم میرے شوہر کے حقیقی چچا تھے اور خود مجھے بھی اونسے آبائی قرابت کا شرف حاصل تھا۔ اگرچہ اِس نظم سے خود میں بہت متاثر ہوئی لیکن نہ صرف اِس لئے کہ اُس کا مرتبہ میری تعریف سے بالاتر ہے بلکہ اِس بنیاد پر بھی کہ" اپنے دہی کو کوئی کھٹا نہیں کہتا" میں اپنے قلم سے اُس کی خوبیوں کے اظہار کی ہمت نہیں کر سکتی حُسن اتفاق سے اِس کی ضرورت بھی نہیں ہے اِس لئے کہ سابق ریویو نگار حضرات کے مضامین کے مختصر اور مناسب اقتباسات سے یہ دکھانا آساں ہے کہ مسلّم ماہرین فن اور قدر شناسان سخن نے اُس کو کس درجے کی نظم قرار دیا تھا اور مرحوم کے کمال شاعری کی نسبت انکی کیا رائے تھی۔

جناب شاکر میرٹھی نے اپنے مقدمے میں مندرجہ ذیل خیالات کا اظہار فرمایا تھا۔

" یہ نظمیں کس پائے کی ہیں اِس کا جواب طرز بیان کی سلاست۔ بندشوں کی نفاست۔ زبان کی فصاحت۔ مضامین کی جدّت۔ فطری جذبات کی کثرت۔ غرض اصناف سخن میں جتنی خوبیاں اور اُن خوبیوں میں جتنی دل فریبیاں داخل ہیں اُن سبھوں کی مجموعی حالت اتنی شہادتیں دے رہی ہے کہ انکو لاجواب تسلیم نہ کرنا سخن فہمی کی قلمرو میں انصاف کا خون کرکے دماغ اور دل کو ظلم کا مجرم بنانا ہے۔

ارسطو کا قول ہے کہ" وہ حکیم نہیں جو شاعر نہ ہو، شاعر نہیں جو قدرت کے مناظر اور فطرت کے جذبات کو سطروں میں نہ جکڑے، شعر نہیں جو اثر کے جادو سے دلوں کو مسخر نہ کرے۔ حکیم کا اطلاق اگرچہ کُلّاً مفہوم اصلی پر نہ ہو سکے، مگر میں جزیہ لقب اس معنے سے حضرت شوق قدوائی کو ضرور دوں گا کہ اُن کی نظمیں فلسفیانہ خیالات سے اس طرح بھری ہوتی ہیں جس طرح فضائے بسیط ازجی (وہ مادہ جسپر قوت حیات کا مدار ہے) سے بھری ہوئی ہے انھیں نظموں کو دیکھ کر فلسفہ شاعری کا یہ کلیہ تسلیم کر لینا پڑتا ہے کہ شاعری اور مصوّری دونوں ایک مادر طبع کے بطن کی دختران توام ہیں عالم خیال ہی کی دل فریب نظموں کو دیکھئے فلسفہ اخلاق اور فلسفہ معاشرت انسانی سے کس قدر آراستہ ہیں۔

فارسی میں شاعری کی جامع تعریف شاید نہ ملے گی - یہ دوسری بات ہے کہ مختلف اقوال کو یکجا کر کے ایک نتیجہ نکال لو - البتہ انگریزی کے شعرا نے مختصر الفاظ میں اِس کی ایسی تعریف کی ہے جس کو جامعیت کے لحاظ سے انسان کا دماغ کہنا چاہیئے - جو دیکھنے میں چھوٹا سا مگر ہونے کو تمام عالم کے خیالات کا مرکز ہے - مثلاً یورپ کا نامور شاعر **شیلی** کہتا ہے کہ شاعری فطرت کی مخفی دل فریبیوں کے چہرے سے نقاب کو اُلٹ دیتی ہے، اور اُس کے جذبات کا ہمارے دلوں پر یہ اثر ہوتا ہے کہ جس شے سے ہم کو اُنس نہ ہو اس سے بھی اُنس پیدا ہو جاتا ہے - **ملٹن** کہتا ہے سب سے زیادہ نظم کی خوبی یہ ہے کہ وہ سیدھے سادے الفاظ میں اور نازک خیالوں کے ساتھ - با اثر ہو - حضرت شوقؔ، قدوائی، کی نظمیں فلسفۂ سائنس، سینری، یا نیچر کے کسی مذاق پر ہوں، اور **عالمِ خیال** کے چاروں رُخ جو اخلاق اور معاشرت کے دِل فریب نظارے کے سامنے کھینچ رہے ہیں، ان پر شیلی اور ملٹن کے اصولِ شاعرانہ سے نگاہیں ڈالی جائیں تو سب تعریفیں اس طرح ٹھیک اُتر جائیں گی جس طرح اُستاد خیّاط کا سیا ہوا خوشنما لباس کسی حسین کے جسم پر ہر پہلو سے ٹھیک اُتر جاتا ہے -

انسان کا کوئی خیال دو حدوں سے باہر نہیں جا سکتا - یا وہ محسوسات خارجی کے دائرے میں رہے گا یا داخلی کے - انھیں دو حدوں میں شاعری بھی محدود ہے - خارجی سے دل پر کم اثر پڑتا ہے، اور داخلی سے دبی جذبات متحرک ہو کے رگ و پے میں اس طرح دوڑ جاتے ہیں، جس طرح بجلی کا اثر جسم میں دوڑ کے محسوسات انسانی پر حاوی ہو جائے - اب تم **عالمِ خیال** کی دِل کش نظموں کو دیکھو - اِن کے ظروف میں حضرت مصنّف نے محسوسات داخلی کو اس کثرت کے ساتھ بھر دیا ہے کہ اونچے جذبات ہر طرف چھلکے پڑتے ہیں اور فطرت کی دل فریب ادائیں جو حُسن معاشرت کو آغوش میں دبائے ہوئے ہیں، اپنی کششوں سے قوتِ مُدرِکہ پر بجلی کا اثر ڈال رہی ہیں - گویا خیال کے سامنے اداؤں کی ایک شکل مجسم

کھڑی ہی جس کا حسن دل کو اِس طرح کھینچ رہا ہی جس طرح مقناطیس لوہے کو کھینچ لیتا ہی۔

شاعری کی بحث میں اشعار کے قوی الاثر ہونے کی نسبت **کارلائل** کا یہ قول بہت صحیح ہی کہ "اگر خیالات کا اظہار سچّے پیرائے میں نہیں ہوتا تو اشعار کا اثر دیر تک نہیں قائم رہتا"۔ میں سچّے پیرائے کی شرح یہ کرتا ہوں کہ اِس تعریف کا انحصار کچھ چشم دید حالت پر نہیں ہی بلکہ ہر ایسا بیان جو فطرت کے سانچے میں ڈھل جائے، با اثر اور دیرپا ضرور ہوگا۔ **عالم خیال** کے چوتھے رُخ میں اظہار شکر رنجی کے لئے عورت کی دِل فریب اداؤں کا جو نقشہ کھینچا گیا ہی، وہ چشم دید نہیں ہی۔ مگر ایسا ہی کہ گویا آنکھوں کے سامنے سچّی اداؤں کا دریا لہریں لے رہا ہی۔ اسی دلچسپی سے اس نظم کا اثر دِل سے ایسا لپٹ جاتا ہی کہ ہٹائے نہیں ہٹتا۔

اِن نظموں کے جسموں میں فطرت انسانی کا فلسفہ روح بن کے پھیلا ہوا ہی۔ مگر میں اِس ریویو میں اُس پر بحث اور اِس کی تشریح اِس سبب سے نہیں کروں گا کہ بلند خیال بیرسٹر حضرت قدوائی نے اپنے ریویو میں نظم کے تسلسل کو دکھاتے ہوئے اخلاق اور معاشرت کے فلسفیانہ خیالات کو ایک دوسرے کے بعد سلسلہ بیاں میں اس طرح دکھا دیا ہی جس طرح کوئی موتیوں کو ایک دھاگے میں پرو کے لڑی کو آنکھوں کے سامنے رکھدے اور پھر قابل بیرسٹر مسٹر محمد سلیمان نے بھی اپنے ریویو میں جا بجا فطرت انسانی کے فلسفہ پر مناسب اور معقول بحث کردی ہی۔ یہ دونوں جواہر نگار تمغے نظموں کے چمکانے کو کافی ہیں۔

دونوں قابل بیرسٹر علم ادب کے وسیع میدانوں میں جستجو اور تحقیق کی نگاہوں کو دوڑا کے اِس امر پر اتفاق کر چکے ہیں کہ اردو درکنار، یورپ کی زبانوں میں بھی **عالمِ خیال** کی سی دِل فریب اور مسلسل نظمیں، جن میں فطرتِ انسانی کے جذبات بھرے ہوں کہیں نہیں ہیں۔ یہ فیصلہ صحیح ہی۔ شکسپیر نے جذبات کے نقشے کھینچے ہیں، لیکن نہ ایسے مسلسل، اور نہ عورت اور مرد کے پاکبازانہ برتاؤ اور حصر محبت کے ساتھ۔

حضرت شوق قدوائی کے کمال سخنوری پر مسٹر محمد سلیمان بیرسٹرایٹ لا کا یہ فقرہ موتیوں میں تولنے کے قابل ہی کہ مرد کا قلم عورت کا دل بنکر بول رہا ہی۔ اِس سے زیادہ کمالِ فن اور قدرت کمال کی بلیغ تعریف نہیں ہو سکتی۔

جناب مشیر حسین صاحب قدوائی تحریر فرماتے ہیں

"تصویر سے عالم خیال کا دکھانا جسقدر مشکل ہی اوس سے بدرجہا زیادہ دشوار الفاظ سے عالم خیال کی نقاشی کرنا ہی۔ ایسی مرقع نگاری بہت بلند پایہ نثّار یا شاعر چاہتی ہی۔ نہ صرف اردو بلکہ یورپ کی زبانیں بھی اِس مضموں پر ایسی بے نظیر اور مسلسل نظم سے خالی ہیں جیسی کہ "عالم خیال" کی نظم ہی۔ بھاشا میں اگر ہو، تو مجھے خبر نہیں لیکن اردو زباں میں ایسی نظم اِس سے پہلے نہ تھی"

جناب محمد سلیمان صاحب بیرسٹرایٹ لا دوسرے رُخ پر ریویو کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

اِس میں کچھ شبہ نہیں اور میں حضرت قدوائی بیرسٹر کے لفظ لفظ سے اس بات میں متفق ہوں کہ فطری جذبات کا نثر میں ادا کرنا مشکل ہے نہ کہ نظم میں، لیکن میں صرف قلم ہی سے نہیں بلکہ دل سے کہہ رہا ہوں کہ حضرت شوق قدوائی نے جو کامیابی نیچرل جذبات کے دکھانے اور اصلی خیالات کے ادا کرنے سے نظم کی دنیا میں حاصل کی ہی، وہ آج ہندوستان میں انھیں کے دماغ اور انھیں کے قلم کے حصہ میں ہی، اور اُنھوں نے صرف شاعری نہیں کی ہی بلکہ اخلاق اور معاشرت کا فلسفہ اِن نظموں میں بھر دیا ہی۔

جو بڑی خوبی اِن نظموں میں ہی وہ یہ ہی کہ مرد کا قلم عورت کا دل بن کر بول رہا ہی۔ یہ ایسی لطافت ہی جسکی داد بہ نسبت مردوں کے خوش فہم عورتوں کے دلوں سے اور بھی زیادہ ملنا چاہیئے۔ وہ خوش ہوں گی کہ اُن کے خیالات اور جذبات کس لطافت، کس فصاحت اور کس عفت کے ساتھ اِن نظموں میں دکھائے گئے ہیں، اور پاک دامنی کے ساتھ وہ محبت اور وفا جو ہندوستان کی نیک سرشت

عورتیں اپنے شوہروں کے ساتھ رکھتی ہیں اور جو صرف ایشیا کی عورتوں کا خاص جوہر ہی اُس کو یہ نظمیں کیسے کیسے دل آویز پیرایوں میں ظاہر کر رہی ہیں۔ گویا اس بات کی قوی شہادت دے رہی ہیں کہ ہماری عورتوں کے پاکباز دل اپنے ایمان اور اپنی تمنّاؤں کو صرف شوہروں ہی کی صورتوں تک محدود رکھتے ہیں

جن لوگوں نے انگریزی کی نظموں، خصوصاً شکسپیر کے ڈراموں کو دیکھا ہی اور جن کی نگاہیں سنسکرت اور بھاشا کے دلکش مضامین پر پڑی ہیں، وہ نیچرل جذبات اور اُن کی اداؤں کا لطف زیادہ پا سکتے ہیں۔ مَیں کہتا ہوں کہ یہی **عالم خیال** کی نظمیں خیالات کی ایسی وسعت اور ایسی کششوں کے ساتھ اگر کسی یوروپین شاعر کے قلم سے انگریزی زبان میں نکلتیں تو یورپ کے اکثر حصّے اِن کی تعریفوں سے گونج اُٹھتے، اور شاعر کا دامن اِمید ہر قسم کی داد کے پھولوں سے بھر جاتا، بلکہ میرا خیال تو یہ ہی کہ اگر ایسی نظمیں انگریزی لباس میں نظر آئیں تو یورپ کی آزادمنش عورتیں ہندوستان کی پاکباز عورتوں کے خیالات سے سچّی محبّت اور وفا کا سبق لیں“

مجھے یہ عرض کرنے میں تامل نہیں کہ اب اِس نظم کے ہر رُخ کا مرتبہ پہلے سے بہت زیادہ بڑھ گیا ہی۔ سلسلۂ کلام کی روانی۔ بندشوں کی چستی۔ الفاظ کی پاکیزگی۔ محاورات کی کثرت اور بے تکلفی۔ خیالات کی نزاکت۔ جذبات کی اصلیت۔ بیانات کی سادگی اور دل آویزی تمام اعتباروں سے میری ناچیز رائے میں اب یہ درحقیقت ایک نادرالوجود نظم ہی۔ شاید اِس سے بہتر مثال سہل ممتنع کی ملنا دشوار ہوگی

ہر رُخ کو اِس کی نوعیت کے اعتبار سے ایک پیشانی دیدی گئی ہی جس سے اوس کے تخصیصی خیالات کی کیفیت کا اظہار ہو جاتا ہی۔ پہلا رُخ "فراق" کا حال ظاہر کرتا ہی۔ دوسرا "شکست امید" کا اور چوتھا" امید کا۔ تیسرے میں "مرد کے خیالات" ہیں۔

تیسرا رُخ خاص طور پر قابل ذکر ہی۔ اسکے رنگ کا دوسرے تینوں رنگوں سے الگ ہونا

ضروری تھا اور میں سمجھتی ہوں کہ یہ امر قابل داد ہی کہ کس خوبی سے مصنّف مرحوم نے اُس کو علیحدہ
کیا ہی۔مضامین محبت کے ساتھ ساتھ مرد کے خیالات میں فلسفۂ ازدواج و معاشرت کا داخل کردینا
اور مفارقت کا التزام ضروریات زندگی پر ڈالنا فطرت انسانی پر شاعر کے کامل عبور کی دلیل ہی۔اس
رُخ کے متعلق بعض صاحبوں کا یہ خیال مجھے معلوم ہوا کہ وہ مقابلتاً "ٹھس" ہی۔لیکن اگر ایسا نہ ہوتا تو
شاعر کا فن ناقص رہتا۔اس لئے کہ اگر شوہر کے دل میں بھی محبت کا دریا اوسی جوش و خروش سے موج زن
ہوتا جیسا کہ بیوی کی طرف سے ظاہر ہوا ہی تو پھر مفارقت کی نوبت ہی کیوں آتی اور دنیا کا کام کیونکر چلتا۔

یہ ایک لطف کی بات ہے کہ دوسرے اور چوتھے رُخوں یعنی "شکست امید" اور "امید"
کی بحر ایک ہی ہی اور اس سے اُن کے مضامین کے تناقض کا اچھا اندازہ ہوتا ہی۔ایک کے لفظ لفظ سے
رنج و یاس کا پتہ چلتا ہی اور دوسرے کے حرف حرف سے مسرت اور شادمانی ٹپکتی ہی۔

ناظرین یہ بھی ملاحظہ فرمائیں گے کہ ساری نظم بے اضافت ہی۔یہ اِس وجہ سے کہ عورتوں کی
زبان میں اضافت درست نہیں مانی گئی ہی۔ایک اور بات کی طرف توجہ دلانا شاید مفید ہو۔اس نظم کا
قلمی نسخہ مرحوم نے بہت احتیاط کے ساتھ خود اپنے ہاتھ سے لکھا اور مطبع کے پروف کی تصحیح بھی باوجود
سخت علالت اور کمزوری کے خاص توجہ سے فرمائی۔اس کی وجہ یہ تھی کہ مرحوم کو رسم خط کے متعلق خاص
غلو تھا۔ایک ایک حرف اور نقطوں تک کی صحیح کتابت پر اصرار فرمایا کرتے تھے۔

بیگم صفدر علی

اندور -- ۱۰ دسمبر ۱۹۲۵ء

عالمِ خیال

کا

پہلا رُخ

فِراق

آج او مرے خیال تو کہاں کہاں گیا
دِل بھی ترے ساتھ تھا تو جہاں جہاں گیا

تُو نے رُخ جدھر کیا دِل کا رُخ اُدھر پھرا
تُو پھرا جوے کے پاس۔ دِل بھر آیا۔ سر پھرا

تیرا دم بس او خیال زندگی کی جان ہے
تیری گود میں ہیں "وہ" مُجھ کو جن کا دھیان ہے

چار دِن کا کام تھا "وہ" گئے تھے جس لئے
چھا کے چھاؤنی وہیں بس رہے تو کس لئے

بے مِرے "وہ" کیوں رہے۔ مُجھ کو رنج کیوں دیا
اِس گِلے کا کیا جواب "تُم نے کیوں سِتم کیا"

صِرف بھُول ہی اُنھیں یا ہی کُچھ ملال بھی
اُن کے دِل سے اُڑ گیا کیا میرا خیال بھی

مُجھ سے کیوں خفا ہیں "وہ" پھر گئی نظر تو کیوں
دِل نہیں اِدھر تو کیوں۔ رُخ نہیں اِدھر تو کیوں

میں وہی ہوں یا نہیں۔ "وہ" وہی ہیں یا نہیں
دور ہیں تو کیا کہوں۔ کیا ہی اور کیا نہیں

ساوَن اور یوُں گھٹا آئے گھُوم گھُوم کے
اُودی اُودی بدلیاں برسیں جھُوم جھُوم کے

یہ رُت اور مُجھ سے "وہ" کالے کوسوں دُور ہیں
لے کے اِس بہار کو کیا کروں اکیلی میں

ساتھ والیوں کے ساتھ جھولنے کو جاؤں کیا
دِل وہاں ہی۔ "وہ" جہاں بے دلی سے گاؤں کیا

کھُل پڑے گی خود بخود چاہ ہر صدا کے ساتھ
مُنہ سے باہر آئے گی آہ ہر صدا کے ساتھ

خیر! اس بہانے سے آہیں بھر تو لُوں گی میں
راگ کی لپیٹ میں نالے کر تو لُوں گی میں

دِل کی بے قراریاں رُخ اگر دِکھائے۔ تو!
ایک رنگ آئے اور ایک رنگ جائے۔ تو!

اِس کی اُس کی چھیڑ چھاڑ پھر بڑا ستم کرے
جس کے سامنے ہو مُنہ ناک میں وہ دم کرے

دُکھ کی پُوچھ پاچھ پر سر جھُکا کے چُپ رہوں
"اُن" کی لاج۔ اپنی لاج۔ کُچھ کہوں تو کیا کہوں

آتی ہیں جو ہم سنیں جھولنے کو میرے ساتھ
کرتے ہیں جگر کا خُون اُن کے لال لال ہاتھ

چُنریوں سے کھاتی ہوں دِل پہ بار بار داغ
ایک مَیں ہزار درد۔ ایک دِل ہزار داغ

اور بھی لگائی آگ ساونی نے پھول کے
پیڑ پر مِری نظر پھر پڑے نہ بھُول کے

"وہ" کہیں کے ہو رہے مَیں ہوں جن کیواسطے
رات دِن کی یہ جلن ایسے سِن کے واسطے

حُسن "یہ اُنھیں" کا ہے۔ جس کو بھول بیٹھے ہیں
مَیں نہیں، پہاڑ پر پھر فضُول بیٹھے ہیں

یہ شباب کی اُمنگ اب کسے دکھاؤں مَیں
رُخ کا لال لال رنگ اب کِسے دکھاؤں مَیں

لال یہ کہاں رہا زرد ہو کے رہ گیا
رنگ اب کہاں ہے رنگ۔ گرد ہو کے رہ گیا

جِسم وہ نہیں رہا۔ اِس میں کَس نہیں ہے اب
ہونٹھ وہ نہیں رہے۔ اِن میں رَس نہیں ہے اب

رُوپ ہی بگڑ گیا۔ شکل ہی بدل گئی
وہ جوانی اب کہاں۔ دوپہر سی ڈھل گئی

دُبلی ہو گئی ہوں مَیں غم کے مارے اِس قدر
نیلی نیلی سب رگیں کھُل پڑی ہیں جِسم پر

مُنہ مِرا اُتر گیا۔ اُڑتی ہیں ہوائیاں
ڈھیلے ہو گئے کڑے سُوکھیں یہ کلائیاں

بیٹھی ہوں جلی بُھنی - اب نہیں ہی مجھ میں جان | یُوں میں خشک ہوگئی جیسے دُھوپ کھا کے پان

"اُن" کی شکل کا خیال آرہا ہی رات دِن | یہ روگ میری جان کھا رہا ہی رات دِن

مُجھ سے میرے جی کا چین سب تو چھین لے گئے | پھر وہ کیوں خیال کا رُوگ مُجھ کو دے گئے

کیا نکھر کے آتی ہیں سب پڑوس والیاں | اور مَیں نصیب کو دے رہی ہوں گالیاں

مُجھ کو اُجڑی دیکھ کے - کہتی ہیں سنورنے کو | سر پہ ہوتی ہیں سوار - کنگھی چوٹی کرنے کو

کاجل اور مِسی کا لُطف جب نہیں "وہی" تو کیا | آئینے میں خود ہی مَیں دیکھتی رہی تو کیا

زیور اب پہن چُکی - جی سے یہ اُتر گیا | جائے بھاڑ میں سنگار، دِل اب اس سے بھر گیا

آرسی کو پھینک دوں مُنہ لگا کے کیا کروں، | مِہندی مَل کے کیا کروں، پان کھا کے کیا کروں،

چُن چُکی دوپٹّے اب - غم کی پالے میرے کون | پھول گُوندھ گُوندھ کے پہنے بالے میرے کون

ماں نے چُنری بھیجی ہی - سب کی ضد ہی اُوڑھ لو | اُوڑھنا پڑے ہی گی ساس کے دکھانے کو

اُوڑھوں اور نہ دیکھیں "وہ" جن کی سب بہار ہو | ایسا اُوڑھنا ہی کیا؟ جو بدن کو خار ہو

کِس سے ناز اب کروں، میرے ناز اُٹھائے کون؟
رُوٹھنے کو رُوٹھ لوں۔ لیکن اب منائے کون؟

کِس سے اپنے دِل کا بھید اب میں کُھل کے کہہ سکوں
کِس کے ساتھ بے جھجک اب میں مِل کے رہ سکوں

دُکھ رکھاؤ وہ کہاں۔ گھر میں یُوں رہا کروں
چُپ چُپ اپنے جی کا بھید جی ہی سے کہا کروں

کہتی کم تھی مَیں۔ مگر دِل ٹٹولتے تھے "وہ"
بول اُٹھے دِل اِس طرح ہنس کے بولتے تھے "وہ"

بے کہے سُنے بھی "وہ" کرتے تھے مِرا خیال
مُجھ کو خوب یاد ہے ایک روز کا یہ حال

ایک بالی کُھل کے گونج۔ گِر کے شب کو کھو گئی
ماں سے "وہ" چھپا گئے۔ مُجھ کو لا کے دی نئی

مانگتی جو کوئی چیز "اُن" سے مُسکرا کے مَیں
ہنستے اُس کو دے کے "وہ" ہنستی اُسکو پا کے مَیں

ہنستے آ کے بیٹھتے۔ ہنستے اُٹھ کے جاتے "وہ"
چُپ جو دیکھتے مُجھے چھیڑ کر ہنساتے "وہ"

تب مَیں دِل سے ہنستی تھی جب تھے دِلّگی کے دن
پَر لگا کے اُڑ گئے اب تو وہ ہنسی کے دِن

بے دِلی سے اب ہنسوں ہم سِنیں جو سب ہنسیں
اِس ہنسی کے مُنہ میں خاک، دِل تو رُوئے لب ہنسیں

بس چلے تو شرم کو جھونک دُوں مَیں بھاڑ میں
لاکھ غم چھپائے ہوں ایک چُپ کی آڑ میں

یا تو مجھ سے چھین لے "اُن" کی یاد اے خدا
یا تو "اُن" کو لا کے کر مجھ کو شاد اے خدا!

یا تو کر مٹرن مجھے۔ ہوش میں نہ آؤں میں
یا تو اپنے ہوش میں "اُن" کو دیکھ پاؤں میں

یا تو اِک ذرا سا رحم "اُن" کے دِل میں ڈال دے
یا تو میرے جسم سے دِل کو تو نکال دے

دے سکا نہ اے خیال جا کے تُو پیام کُچھ
تیری دَوڑ دُھوپ سے چَل سکا نہ کام کُچھ

تُو نے میرے دِل کا درد "اُن" سے کچھ کہا بھی تھا
"اُن" سے مِل کے میرا دھیان تجھ کو کچھ رہا بھی تھا

چُپ ہی چُپ میں رہ گئی میرے غم کی داستان
کیوں نہ مانگ لے گیا تُو وہاں مری زبان

تُو تو "اُن" سے اے خیال مِل رہا ہی بار بار
جا چُکا ہی آج ہی کم سے کم ہزار بار

پھر کے "اُن" کے دل کے گرد گھیر "اُن" کے دِل کو تُو
اُس طرف سے اِس طرف پھیر "اُن" کے دِل کو تُو

رُت پھرے۔ ہوا پھرے۔ پھرنے والے سب پھریں
ایک "وہ" نہیں پھرے۔ کون جانے کب پھریں

دِل دُکھا جو ہم سنیں کل یہ آ کے کہہ گئیں
ایسی صورت اور "وہ" تُم کو چاہتے نہیں

جاتے ہی پہاڑ پر بس نظر بدل گئی
دیکھنے کو مِل گئیں سیریں کچھ نئی نئی

کیا کچھ اور سمجھوں میں کر کے بدگمانیاں
باوَلی ہوئی نہ ہوں مِل کے دو جوانیاں

"اُن" کو بھول ہی نہیں کچھ جھجک ضرور ہی
اے وہ بھول ہی سہی، مجھ کو شک ضرور ہی

"اُن" کے دِل میں میری چاہ شاید اب نہیں رہی
چھن گئی مری جگہ اور میں یہیں رہی

شاید اور کوئی شکل کھب گئی نگاہ میں
کوئی رُوک ہو گئی۔ اِس طرف کی راہ میں

آنکھ اوٹ درکنار "وہ" تو ہیں پہاڑ اوٹ
چل گیا کسی کا وار۔ کھا بدے کسی کی چوٹ

مجھ سے پھر گئی تو کیا۔ مرد کی نظر ہی تو!
دِل میں گھونٹ آ گئی۔ کیا ہوا۔ بشر ہی تو!

یوں بھرا ہوا ہی سحر عورتوں کے رُوپ میں
جیسے رنگ پھول میں۔ جیسے نُور دھوپ میں

تو یہ۔ ہو کے بدگماں میں نے کی خطا ضرور
بھول چوک ہو تو ہو۔ ہیں "وہ" باوفا ضرور

کاش او خیال! تو اب نہ آئے میرے پاس
کاش اُن کی یاد! تو اب نہ لائے میرے پاس

"اُن" کے دِل میں آئے مَیل، یہ خیال ہی فضول
یوں دِل "اُن" کا صاف ہی جیسے چاندنی کا پھول

کھاتے ہیں بہت ترس دِل سے ہر غریب پر
"وہ" ستم نہ ڈھائیں گے مجھ سی بے نصیب پر

"اُن" کی میں ہوں - میرے "وہ" جہاں اب رہیں کہیں
شرع کی گِرہ ہے عقد - بَند کی گِرہ نہیں

یہ تو سب سہی - مگر - خود تو "وہ" اُدھر گئے
اور جہان بھر کا درد میرے دِل میں بھر گئے

آدمی بُرے - کہ دُور اپنے گھر سے جا بسیں
طائر اپنے شب کو جو گھونسلوں میں آ بسیں

گھر کا نام خاک لُوں - بن کے یہ بگڑ چکا
اس پہ اُوس پڑ چکی - مِٹ چُکا - اُجڑ چُکا

چھت ٹپکتی ہے تو "اُنھ" کون اُس کی لے خبر
رُو رہی ہوں میں اِدھر - رو رہی ہے وہ اُدھر

گھر - وہ گھر نہیں رہا - بن مری نظر میں ہے
"وہ" گئے تو کیا ہے اب خاک ڈھول گھر میں ہے

وہ مسہری "اُن" کی ہائے - خالی دیکھوں کب تلک
گزرے دِن - مہینے - سال "وہ" نہ آئے اب تلک

چُپکے چُپکے گنتی ہوں "اُن" کی ایک ایک شے
جس کے ساتھ "اُن" کا نام وہ مجھے عزیز ہے

اور شے کو کیا کہوں - میں ہوں خود "اُنھیں" کی چیز
"اُن" سے تو نہیں مجھے اپنی جان تک عزیز

خیر سے جو آئیں "وہ" اور دیکھ پاؤں مَیں
پُتلیوں پہ لاؤں میں - آنکھوں پر بٹھاؤں میں

خود ہی پھر نکالوں چھیڑ - اپنا مُنھ سُکھا کے کچھ
بیٹھ جاؤں رُوٹھ کر - تیوریاں چڑھا کے کچھ

رُخ ہو کچھ پھرا ہوا۔ سر ہو کچھ جُھکا ہوا
بات چیت بول اُٹھے۔ دِل ہی کچھ رُکا ہوا

دُوں قسم کہ پھر نہ جاؤ۔ لُوں قسم کہ پھر نہ جائیں
کِھلکھلا کے ہنس پڑوں ڈر کے جب قسم "وہ" کھائیں

بس کشش پہونچ گئی۔ بس "وہ" کھنچ کے آ گئے!
بس میں "اُن" کو پا گئی۔ بس قسم "وہ" کھا گئے!

خیر۔ آسرے ہی پر اب تو زندگی رہی
دِل بہلنے کے لئے ایک کھیل ہی سہی

یُوں مرے نصیب کو مجھ سے لاکھ بیر ہو
خوش رہیں جہاں رہیں "اُن" کے جی کی خیر ہو

کوئی اُف نہ کر سکے اور آگ میں جلے
سَو جہنّم اے خدا اِس مکان سے بھلے

دُکھ پہ دُکھ میں سہتی ہوں رات دِن جُدائی سے
چین اُڑ گیا کہیں کیا تِری خُدائی سے

"اُن"، کے دیکھنے کو دِل کتنا بے قرار ہے
وعدہ تو نہیں۔ مگر مجھ کو اِنتظار ہے

دھیان بندھ کے بارہا "اُن" کا شک ہوا مجھے
آہٹ اور کی ہوئی اور میں سمجھی آ گئے

خط لِکھوں۔ مگر فضول۔ "اُن" پہ ہو چکا اثر
آہ میں اثر نہیں۔ خط میں ہو گا کیا اثر

اب تو جو کڑی پڑے۔ اُس کو جھیلتی رہوں
کھیل تو بگڑ چکا۔ جی پہ کھیلتی رہوں

تپ نے خون پی لیا۔ اب پڑی ہی جان کی
یوں میں ہوگئی سفید جیسے کھیل دھان کی

ایں! یہ بولنے لگا آکے کون دِل جلا؟
گرم گرم آتی ہی میرے کانوں میں صدا

کوئی آکے پیڑ پر کہہ رہا ہی "پی کہاں"
"پی" کہیں ہیں میں کہیں۔ کیا کہوں ہی جی کہاں

جی رہی ہوں میں یہاں اور جی ہی "پی" کے ساتھ
پاس ہوں کہ دور ہوں۔ ہیں "وہ" میرے جی کے ساتھ

بُو کی کچھ لپٹ ابھی آئی ہی دماغ میں
ایسے پھول تو نہیں میرے خانہ باغ میں

ہی ہوا اُدھر ہی کی وہ پہاڑ ہی جدھر
شاید "اُن" کو چھو کے یہ آج آئی ہی اِدھر

پھر گیا ہی سر مرا اور کیا بتاؤں میں
"وہ" تو مُجھ کو بھول جائیں بُو کو یاد آؤں میں

تج چکے ہیں ہاتھ پانوں زندگی کا زور سب
اِک ذری سی جان ہی۔ اور مُجھ میں کیا ہی اب

جان سے بھی گزری میں۔ موت آکے صبر دے
گھر تو چین دے چکا۔ اب جو دے تو قبر دے

عالمِ خیال

کا

دُوسرا رُخ

شکستِ اُمّید

عُذر لکھا نہ آئے آپ۔ وعدے سے پھر بدل گئے
ای مرے انتظارِ صبر۔ چال نئی "وہ" چل گئے

خط ہی کہ حرف حرف سے دِل پہ چلیں کٹاریاں
ایک نہ آنا "اُن" کا۔ اور تس پہ مری بے قراریاں

دیکھ رہی تھی "اُن" کی راہ پھر کے اِدھر اُدھر سے آنکھ
پڑتی تھی در پہ بار بار کھنچ کے تمام گھر سے آنکھ

مَیں تو نہ لوں۔ نہ لوں بھول کے در کا نام اب
بند رہے کھلا رہے۔ کیا مجھے اُس سے کام اب

پھانس کے جال میں مجھے پنجرے میں کر گئے "وہ" بند
سمجھے کہ دانے پانی کی رکھیں گی فکر ساس نند

عورت "انھیں" بنا دے تو چند دِنوں کو ای خدا
دُکھ کو "وہ" جانیں بن کے مرد "اُن" سے جو میں رہوں جدا

کِس کو دکھاؤں دِل کی چوٹ میں کہیں اور وہ کہیں
پَر مِرے ہوتے تو ابھی اُڑ کے پہونچتی میں وہیں

لڑتی جھگڑتی "اُن" سے خوب دِل سے نہیں زبان سے
دِل تو مِرا نثار ہی "اُن" پہ ہزار جان سے

کہتی کہ آؤ۔ گھر چلو۔ کام کو جھونکو بھاڑ میں
تج کے گھر اِس پہ آ بسے۔ آگ لگے پہاڑ میں

خط سے پڑی جگر پہ چوٹ۔ زخم ہرے ہوئے ہیں آج
"اُن" سے ہزار ہا گلے دِل میں بھرے ہوئے ہیں آج

چھین لیا ملال نے عیش مرے نصیب کا
جیسے مکان لوٹ لے کوئی کسی غریب کا

کاموں میں دِن تو کٹ بھی جائے۔ رات کو پڑتی ہی کڑی
شام ہوئی کہ اِک بلا جان پہ آ کے پھٹ پڑی

آتے ہیں سو طرح کے سوچ نیند اُچاٹ ہونے پر
تکیوں سے باتیں کرتی ہوں لیٹی ہوئی بچھونے پر

رات کو مُنہ چھپا بھی لوں دِن کو چھپاؤں کِس طرف
پڑتی ہی اِسکی اُسکی آنکھ۔ بھاگ کے جاؤں کِس طرف

آتی ہیں میری بھاوج آج۔ یہ تو بہت بُرا ہوا
کیا میں کہوں جو پوچھ اُٹھیں "تم کو بہن یہ کیا ہوا"

کٹ گئی آنسوؤں سے میں کیا کہوں آج کیا پڑی
رہ گئی آنکھیں دیکھ کے میری ددا جو آ پڑی

جان کے ساتھ لاکھ کام۔ مجھ سے نہ کوئی کام ہو
شام سے چُپ میں صُبح ہو۔ صُبح سے چُپ میں شام ہو

سہی نہ سکی دُلائی آج۔ چھوڑ کے اُٹھ کھڑی ہوئی
ہو گی کھُلی ہوئی مشین بنگلے ہی میں پڑی ہوئی

ہنستی ہیں آکے ہم سنیں۔ تُلتی ہیں چھیڑ چھاڑ پر
روز مُجھے ڈھکیل کے بھیجتی ہیں پہاڑ پر

اُن کا تو کھیل ہو گیا اور مرے جی پہ آ بنی
سُنتے ہی نام پڑ گئی سارے بدن میں سنسنی

اُڑتا ہے رنگ بار بار کُھلتا ہے درد رنگ سے
دیکھتی ہیں وہ غم کی شکل چہرے کے زرد رنگ سے

روز کی پوچھ پاچھ کو رُوگ کہاں سے لاؤں میں
آئے دِن اِک نیا مَرض اپنے لیے بناؤں میں

ایک دِن اُن سے یہ کہوں۔ درد بہت ہے سر میں آج
دوسرے روز کیا کہوں؟ آج ہی مجھ کو اِختلاج؟

اُن سے مرض وہی کہوں جس کو نہ دیکھ پائیں وہ
جو کہوں مُنہ سُکھا کے میں۔ چُپکے سے مان جائیں وہ

لاکھ جھلاوے دیتی ہوں۔ وہ نہیں مانتی ہیں ایک
جھُولے پہ لے کے مُجھ کو ساتھ رکھتی ہیں آخر اپنی ٹیک

وہ جو ہنسیں ہنسائیں تو مُنہ پہ ہنسی بناؤں میں
رُوؤں نصیب کو۔ مگر۔ گائیں تو ساتھ گاؤں میں

سچ تو یہ ہے کہ گھر نیا اور یہ زندگی نئی
اپنی خوشی کی زندگی بیاہ سے پہلے کٹ گئی

بھول گئے وہ کھیل کود جو تھے نصیب ماں کے گھر
کاہے کو میں ہوئی جوان۔ لڑکی ہی رہتی عُمر بھر

اب تو پرائے بس میں ہوں۔ صبر کے ساتھ رہ سکوں
کوئی ہزار کچھ کہے۔ اپنی میں کچھ نہ کہہ سکوں

ساس کے مُنہ پہ خوش بنوں چاہے خوشی کا جی نہ ہو
زخم سامنے کھلے تو کیا۔ وہ تو کوئی ہنسی نہ ہو

دیورا بھی اِدھر پھرے اور میں جی میں کھو گئی
لیٹ کے آنکھیں مُوند لیں جس میں وہ سمجھیں سو گئی

"**شوق**" ہی آج آپڑے۔ رہ گئی ہو کے زرد میں
"اُن" کی شبیہ کو لئے جھاڑ رہی تھی گرد۔ میں

اُجڑے پہاڑ جس پہ "وہ" چھاؤنی چھائے بیٹھے ہیں
اُس پہ پھسل کے۔ دیس سے، ہاتھ اُٹھائے بیٹھے ہیں

کر کے سنگار میرے پاس آتی ہیں ساتھ والیاں
ناز سے یوں لچکتی ہیں جیسے ہوا سے ڈالیاں

کپڑے بسے ہیں عطر سے۔ ہونٹھ ہیں لال پان سے
باتوں میں ٹپکی پڑتی ہے۔ دل کی خوشی زبان سے

"وہ" تھے تو گھنے پاتے سے خوب میں بن سنور چکی
تیل۔ پھلیل۔ عطر۔ پان۔ سارے بناؤ کر چکی

اب تو بسے "وہ" جا کے دور، لطف ہی کیا نکھار کا
کون کھلے گا دیکھ کر رنگ مری بہار کا

ہو گئی لال رنگ سے چڑھ سی مرے جنون کو
بس ہو تو میں نکال دُوں جسم سے سارے خون کو

دیتی ہے داغ آرسی۔ میں نہ چھوؤنگی اب اسے ‖ آتی ہے زرد رُو نظر۔ دیکھتی ہوں میں جب اِسے

کاجل اُڑے، نہ ڈالوں گی اِس پہ کبھی نگاہ مَیں ‖ بہتا ہے آنسوؤں کے ساتھ ہوتی ہوں رُوسیاہ مَیں

توڑ کے پھینکوں چوڑیاں۔ نا! یہ بُرا شگون ہے ‖ اِتنی بھی مَیں سِٹرن نہیں۔ لاکھ مجھے جنون ہے

ہو بہت "اُن" کی زندگی، چوڑیوں سے تو ہے سُہاگ ‖ گہنے سے جلتی ہوں ضرور۔ جیسے بھری ہے اِسمیں آگ

اپنی جلن ہٹا نہ دوں گہنے سے ہاتھ جھاڑ کے ‖ جی میں ہے پھینک پھانک دوں سب کو میں توڑ تاڑ کے

"وہ" جو نہیں تو رہ چکی شوق سے بن سنور کے مَیں ‖ بھیج نہ دوں "اُنھیں" کے پاس بکس میں بند کرکے مَیں

مجھ کو تو چاہتے نہیں۔ کاہے کو دیکھیں آکے "وہ" ‖ چاہتے ہوں جسے وہاں۔ دیکھیں اُسے پنہا کے "وہ"

مرد کی شکل جب بنی۔ بھونرے کا دِل اُسے مِلا ‖ جیسے وہ جا کے گونج اُٹھا پھول جہاں کہیں کھلا

ہائیں! بہک نہ او دماغ۔ اتنا بھی اِنتشار کیا ‖ ڈھول کی رسّیاں نہ بٹ۔ وہم کا اِعتبار کیا

"اُن" میں وفا ہو یا نہ ہو۔ میں یہ کہوں گی ہے ضرور ‖ ہاں یہ کہوں گی آ راہ کو۔ روکے ہے کوئی شئے ضرور

دیکھنے کو ترس گئی۔ اِس کا گلہ ضرور ہے ‖ رسم کی بیڑیوں میں پانو اور پہاڑ دُور ہے

اب تو بس اِس شبیہ سے "تم" کو میں دیکھ لیتی ہوں — دِل میں جو ہوک اُٹھتی ہے چین اسی سے دیتی ہوں

شکل ہے یہ "تمھاری" ہے - اور یہ میری جان ہے — اِس میں "تمھارا" حُسن ہے - اِس میں "تمھاری" شان ہے

آ گئے مُجھ میں کُچھ حواس - سامنے جب یہ آ گئی — جان بچاؤ کے لئے آڑ ذری سی پا گئی

"تم" نظر آ ہی جاتے ہو - اے وہ خیال ہی سہی — دُور ہو "تم" تو سامنے اِتنا جمال ہی سہی

پال گئے تھے "تم" چکور - ہوتی ہوں اِس سے شاد میں — پڑتی ہے اِس پہ جب نظر - کرتی ہوں "تم" کو یاد میں

چاندنی رات میں - مگر دیتے ہو غم ضرور "تم" — اِس کی نظر میں چاند ہو - میری نظر سے دُور "تم"

صُبح کو جب مہکتے تھے میرے چمن میں کِھل کے پھول — پھرتے تھے دونوں ساتھ ساتھ - چُنتے تھے دونوں مِل کے پھول

اب تو ہے خانہ باغ گرد - ساری ہوا بگڑ گئی — کس کا چمن، کہاں کے پھول، پیڑوں پہ اُوس پڑ گئی

تُم نے جلا کے کر دیا دِل مرا زندگی سے سرد — ایک نہ آنا لاکھ ظلم - ایک جُدائی لاکھ درد

کی نہیں میں نے کچھ خطا - کی ہو تو بھول جاؤ "تم" — مجھ کو نہ دیکھنا - مگر خیر سے گھر کو آؤ "تم"

"تم" جو کہو تو رُخ پہ میں آنچل اُٹھا کے ڈال لوں — اِس میں تو ہرج کچھ نہیں - جھانک کے دیکھ بھال لوں

صرف "تمھاری" دید کی تم سے ہوں طالب اور بس / صِرف "تمھاری" آرزو مجھ پہ ہے غالب اور بس

رحم کا اِک سوال ہے اور کچھ اِلتجا نہیں / ہیں بھی غریب عورتیں مستحق اِس کی یا نہیں

"تم" نہ ستم کرو تو کیوں دِل مِرا بے قرار ہو / مَیں نہیں چاہتی کہ "تم" میرے گناہگار ہو

کیا میں خُدا کے سامنے "تم" کو سزا دلاؤں گی / اپنی وفا کے نام کو خاک میں کیوں مِلاؤں گی

جب تھے "تم" اپنے دیس میں نرم بہت تھا تب تو دِل / کھا کے ہَوا پہاڑ کی ہو گیا پتھّر اب تو دِل

جو تھی تمھارے دَم سے بات وہ مجھے اب کہاں نصیب / ایک تمھارے مُنہ سے تھیں لاکھ تسلّیاں نصیب

چُھپ گئے پُتلیوں سے "تُم" اِن کو نظر نہ آؤ گے / یہ تو بتاؤ۔ کِس طرح دِل سے نِکل کے جاؤ گے

"تم" سے مرے نصیب میں شاید ابھی کرم نہیں / اُن کے بڑے نصیب ہیں ہجر کا جِن کو غم نہیں

رہتی ہیں شوہروں کے ساتھ۔ بنتی ہیں اور سنورتی ہیں / اِن پہ وہ ناز کرتے ہیں۔ اُن پہ یہ ناز کرتی ہیں

دونوں شگفتہ رہتے ہیں۔ پھول سے دو کِھلے ہوئے / دونوں کو زندگی کا لُطف دونوں کے دِل مِلے ہوئے

مَیں تو بس اب سنور چکی۔ "تم" مِرے پاس ہی نہیں / آئنہ لے کے بیٹھے کون؟ اِتنے حواس ہی نہیں

مجھ پہ تمہارے لاکھ حق - چاہو جہاں کہیں رہو
"تم" یہ بھی میرا کوئی حق ہی کہ نہیں تمہیں کہو

جانتی ہوں کہ مرد ہو - مرد کا حق بڑا ضرور
سمجھوں پہاڑ کو بھی میں مرد کا حق - یہ کیا ضرور

عورت اگر میں ہو پڑی - اسمیں مری خطا نہیں
پوچھتی ہوں بس اتنی بات جان ہی مجھ میں یا نہیں؟

کس سے میں باتیں کر چلی - گم ہیں مرے حواس ہی
ایسا بندھا کچھ "اُن" کا دھیان بیٹھے ہیں جیسے پاس ہی

جن کے جیئوں کا روگ ہوں ہجر سے زندگانیاں
چھین لے اُن سے ای خدا اُن کی بھری جوانیاں

جانے وہ میرے جی کا حال جس کو کسی کی دُھن لگے
کھاتا ہی سوچ یوں مجھے جیسے چنے کو گھن لگے

پردے میں عورتیں مریں چاہے ابھی قضا نہ ہو
رسم کا حق ادا کریں - چاہ کا حق ادا نہ ہو

کہہ نہیں سکتی یہ کہ ہوں میں بھی کہیں زمانے میں
جرم تو کچھ نہیں مگر - قید ہوں قید خانے میں

ساتھ مجھے نہ لے گئے - کیا یہ رواج ہی نہیں
درد کو "وہ" نہ سمجھیں درد - اس کا علاج ہی نہیں

"اُن" کی چچی پہاڑ پر اپنے میاں کے ساتھ ہیں
اُن میں لگے ہیں کون لعل! جائیں وہ اور نہ جاؤں میں

مجھ سی غریب ای خدا آگئی کس عتاب میں
اتنا ہی ہو گا دوزخی جتنی ہوں میں عذاب میں

میری بنی بنائی شکل گرد ہوئی۔ بگڑ گئی

باپ کے گھر سے لائی تھی رنگ کنول کے پھول کا

آنے کو لکھ کے چند بار پھر "وہ" ہوا بتا چکے

اب مرے انتظار کا فیصلہ دم نکل کے ہو

روح تو چاہے گی یہی اڑ کے انھیں کے پاس جائے

کیا مری حسرتوں پہ "وہ" کچھ ترس آ کے کھائیں گے

مجھ کو تو کر چکے "وہ" خوش۔ روح کو آ کے خوش کریں

سبزے کو سینچتے رہیں۔ مجھ پہ وہ بار ہو نہ جائے

روپ پہ خاک اڑ گئی، رنگ پہ اوس پڑ گئی

ہو کے ہیں زرد، زرد یہاں پھول بنی بہول کا

ہو بہت "اُن" کی زندگی۔ کیا "وہ" ابھی ستا چکے؟

اپنی ہی آگ سے بدن راکھ کا ڈھیر جل کے ہو

حکم جو ہو بہشت کا۔ جائے۔ مگر۔ اداس جائے

گھر سے جو چل بسوں گی میں۔ گور پہ ملنے آئیں گے

فاتحہ پڑھ کے خوش کریں، پھول چڑھا کے خوش کریں

نرم یہ ہے۔ ہرا رہے۔ سوکھ کے خار ہو نہ جائے

عالم خیال

کا

تیسرا رُخ

مرد کے خیالات

ابھی یہیں تھے آج ہی وطن سے شوق آئے ہیں
وہ ماں کے شکوے کہہ گئے۔ بہن کے شکوے کہہ گئے
بس ایک مُنہ کی بات یہ نہ سُن سکے "وہ" چُپ رہیں
زبان سے "وہ" کہتیں کیا۔ سکوت خود زبان تھا
ہزار شکوے کچھ نہ کہنے میں نہاں کئے رہیں

مرے لئے بہت سا درد تحفے میں وہ لائے ہیں
تمام شکوے درد بن کے میرے دِل میں رہ گئے
کہو گی کچھ۔ کہو گی کچھ۔ یہ کہہ تھکے "وہ" چُپ رہیں
وُہ چُپ چُپ "اُن" کا دیکھنا ہی ایک داستان تھا
ہزار بخششیں "وہ" چُپ کی آڑ میں لئے رہیں

خط "اُن" کے اب کم آتے ہیں کھنچی سی ہیں خفا سی ہیں
"وہ" اپنے بے وفا کے ساتھ اب تو بیوفا سی ہیں

نہیں نہیں۔ غلط غلط۔ نہ مَیں نہ بیوفا ہیں "وہ"
نہ "اُن" سے کُچھ خفا ہوں میں۔ نہ مُجھ سے کُچھ خفا ہیں "وہ"

تُنک مزاج ہیں۔ مگر۔ سرشت "اُن" کی نیک ہے
نہ ضِد کہو۔ نہ ہٹ کہو۔ ذری سی "اُن" میں ٹیک ہے

"وہ" سُوچتی ہیں چُپ چُپا ور وہم کو بڑھاتی ہیں
خیال جو جمے اُسے دماغ میں پکاتی ہیں

جو سمجھی ہوں کہ میں خفا ہوں تو غلط یہ بات ہے
اچانک آنے ہی کا کام تھا۔ فقط یہ بات ہے

بُلاتا "اُن" کو میں یہاں تو آنے پاتیں کس طرح
یہ پہلا ہی سفر تھا "وہ" اکیلی آتیں کس طرح

اُڑائیں چُٹکیوں میں سب جو رسم کے خلاف ہو
کہے جو پھر خُدا بھی تو نہ یہ خطا معاف ہو

مَیں "اُن" کے رنج کا سبب ضرور ہوں ضرور ہوں
قصوروار "اُن" کا ہوں۔ اگرچہ بے قصور ہوں

یہاں میں آکے پڑ گیا تجارتوں کے پھیر میں
اُکھڑ اُکھڑ کے بارہا جما یہ کام دیر میں

نہ "وہ" یہاں، نہ مَیں وہاں، نہ شاد "وہ" نہ شاد مَیں
لیے ہیں میری یاد "وہ" لیے ہوں اُن کی یاد مَیں

مری خوشی "اُنھیں" سے تھی "اُنھیں" کے ساتھ رہ گئی
ہنسی کا نام خاک لوں۔ وہ آنسوؤں میں بہ گئی

یہ فطری ایک بات ہی کہ ڈھونڈھے ساتھ آدمی ‏ ‏ بٹائے تا کہ مل کے آدمی کا ہاتھ آدمی

نہ چاہے جو شریک اپنے حال کا وہ جی ہی کیا ‏ ‏ نہ جس کا کوئی ہم نَفَس ہو اُس کی زندگی ہی کیا

شریک زندگی کا کوئی بیوی کے سِوا نہیں ‏ ‏ میاں کی زندگی سے اُس کی زندگی جُدا نہیں

ہزار چین جس سے ہوں وہ بیوی ہی کی ذات ہی ‏ ‏ ہزار لُطف اُس کے مُنہ کی ایک ایک بات ہی

مُجھی کو دیکھو۔ کُچھ یہاں نہ گھر کا کام بَن پڑا ‏ ‏ خود اپنے کھانے پینے کا نہ انتظام بَن پڑا

غرض ہی عقد سے کہ دونو دُور سے قریب ہوں ‏ ‏ مگر وہ ترسیں دُور ہی جو ہم سے بے نصیب ہوں

بشر کو دِل تو وُہ مِلا ہی جو بھرا ہے چاہ سے ‏ ‏ اب اُس سے پُوچھو جس کی بیوی دُور ہو نگاہ سے

کہیں یہ ہوں یہیں صرف "اُنھیں" سے زندگی میں جان ہی ‏ ‏ "اُنھیں" کے دَم سے جی ہی اور جی ہی تو جہان ہی

ہے عورت اِک لطیف جِنس اپنے مرد کے لِئے ‏ ‏ یہ فطرت اِس کی ہی کہ اُس کی سمت اِس کا دِل کھِنچے

نہ ہو نصیب جس کو بیاہ اُس کا گھر خراب ہو ‏ ‏ اکیلی زندگی ہی کیا۔ وہ جان کا عذاب ہو

مگر مِرا سا بیاہ کیا۔ کہ عقد اُدھر سفر اِدھر ‏ ‏ "وہ" مُجھ سے بے خبر اُدھر میں "اُن" سے بے خبر اِدھر

بڑا ہی کھینچ تان سے عجیب کشمکش میں دِل
فِراق نے اِدھر اُدھر دِل اور جگر جلا دیئے
اُدھر بھی غم۔ اِدھر بھی غم۔ نہ تاب اُدھر نہ تاب اِدھر
اُدھر ٹہل کے شب کٹے۔ اِدھر تڑپ کے شب کٹے
وہ دو دِلوں کی راحتیں سب اضطراب ہو گئیں
جہان کوئی دوسرا جو غم سے پاک ہو کہیں
یہاں ہزار آفتیں۔ اِنھیں میں دِل گھرا کریں
وہ مُلک چل کے ڈھونڈ لیں جہاں نہ آسمان ہو
جہاں خوشی ہو دائمی۔ نہ رنج پاس آسکے
مجھے تو کُچھ جنون ہی۔ یہ کیا سے کیا میں بک گیا
یہی جہان اب تو ہی۔ اِسی کو جھیلنا پڑے

محبّت اُن سے مُستقل ہی۔ ساتھ غیر مُستقل
لگا کے آگ دونو سمت چند گھر جلا دیئے
نہ چین اُدھر۔ نہ چین اِدھر نہ خواب اُدھر نہ خواب اِدھر
یہ سُوچ شام ہی سے ہو کہ دیکھیں رات کب کٹے
وہ دِن خیال ہو گئے۔ وہ راتیں خواب ہو گئیں
تو دونو اس جہان سے نِکل کے جا رہیں وہیں
یہاں ہزار گردشیں۔ اِنھیں میں سر پھرا کریں
جہاں نہ اُس کے ظُلم سے مُصیبتوں میں جان ہو
جہاں کے میل جول میں نہ ہجر دخل پا سکے
تو کیا کسی کے واسطے بنے جہان اِک نیا؟
نصیب جو کھلائے کھیل اُسی کو کھیلنا پڑے

نہ بنتی کاش فرقت ای خدا تری خدائی میں
بھرے ہوئے ہیں لاکھ درد ایک اِس جُدائی میں

پھری اب اِس پہاڑ کی بہار سے مِری نظر
یہاں ہیں جتنے پھول سب نثار "اُن" کے چہرے پر

"اُنھیں" سمجھ رہا ہوں لُطف اپنی زندگی کا مَیں
اگر نہیں "اُنھیں" کا مَیں۔ تو پھر نہیں کسی کا مَیں

مَیں مرد ہوں چلوں پھروں، بہل کے زندگی کٹے
کبھی خیال اُدھر ہٹے۔ کبھی نگاہ اِدھر ہٹے

جدھر قدم بڑھاؤں میں۔ کُھلی ہوئی ہی راہ اُدھر
جدھر نظر اُٹھاؤں میں۔ ہے میری سیرگاہ اُدھر

غریب بیوی کیا کرے۔ مکان جس پہ تنگ ہو
فقط مکان ہی نہیں۔ جہان جس پہ تنگ ہو

گزارے گھر میں زندگی رگڑ رگڑ کے ایڑیاں
جکڑ کے ڈالے قید میں۔ رواج۔ بن کے بیڑیاں

یہ عورتیں ہیں ہند کی۔ وفا کا اِن میں خون ہے
وہ عشق شوہروں سے ہے کہ عشق کیا جُنون ہے

بغیر دیکھے عقد پھر بھی دونو دِل ملے ہوئے
شگفتہ یہ بھی۔ وہ بھی۔ جیسے پھول دو کھلے ہوئے

وہ ربط اُن میں جیسا پیشتر کے دیکھے بھالوں میں
وہ میل اُن میں۔ جیسا مدتوں کے ملنے والوں میں

غرض۔ وہ بیویاں۔ کہ خوبیوں سے خُو بھری ہوئی
وہ ظرف اُن کی ذات جسمیں آبرو بھری ہوئی

وہ ایک عفّت ایسی جس سے حاصل اُن کو شرف — وہ ایک عِصمت اِک طرف ہزار پہرے اِک طرف

لحاظ ایسا جیسے شوہروں کا اُن پہ قرض ہی — وفا ہی فرض اُسی طرح نماز جیسے فرض ہی

ہی فرض شوہروں پہ بیویوں کی اس وفا کا حق — نہ جانے جو وفا کا حق نہ مانے وہ خدا کا حق

میں "اُن" کے حق کو مان کر سمجھ گیا یہ مُدّعا — کہ وہ سکوت شوق سے مری طلب کا حُکم تھا

وہی سکوت ہو تبسّم ایک روز تو سہی — بنے "اُنھیں" کے دل کی ٹھنڈک "اُن" کا سوز تو سہی

گلے نہ پھر گلے رہیں گے مُجھ کو پا کے ایک دِن — ہنسی بنیں گے سب گِلے لبوں پہ آ کے ایک دِن

نہ بھولنے کی چیز "وہ" نہ چھوٹنے کی چیز "وہ" — مجھے عزیز جیسی جان ویسی ہی عزیز "وہ"

ٹپکتی ہی محبت اُن کے مُنہ کی بات بات سے — ہزاروں راحتیں ہیں مجھ کو ایک اُن کی ذات سے

یہ بات خوب یاد ہی کہ ایک دِن میں گھر میں تھا — خفیف تپ تھی مُجھ کو اور درد میرے سر میں تھا

سُنا کہ "اُن" کے بھائی گھر میں آ گئے "بہار" سے — گئیں نہ اُن کے دیکھنے کو تب ہیں چھوڑ کر مجھے

کہا بھی میں نے جانے کو تو رہ گئیں "وہ" ٹال کر — بُلایا اپنے بھائی کو ملے وہ آ کے میرے گھر

جو دِل رہا نہ چین سے تو "اُن" کی نیند اُچٹ گئی
مِرے قریب ساری رات آنکھوں ہی میں کٹ گئی

یہ دَم ہی صرف بیوی کا کہ یُوں وفا کا دَم بھرے
ہزار راحتیں وہ دے - ہزار خدمتیں کرے

سمجھتی ہی کہ شوہر اُس کا دِل ہی اُس کی جان ہی
اِسی سے اُس کی آبرو - اِسی سے اُس کی شان ہی

سمجھتی ہی کہ اُس کے جینے کو ہی صرف ایک گھر
جو عقد کی گرہ لگی - کھُلے گی یہ نہ عُمر بھر

غرض "وہ" مجھ سے باوفا ہیں "اُن" سے باوفا ہوں میں
دِل "اُن" کا لے چکا ہوں میں دِل اپنا دے چکا ہوں میں

دِماغ میں "وہ" دِل میں "وہ" جگر میں "وہ" نظر میں "وہ"
یہ جسم گھر اُنھیں کا ہی - ٹہل رہی ہیں گھر میں "وہ"

ادائیں "اُن" کی بھر رہی ہیں یوں مرے دماغ میں
اِدھر اُدھر پھریں حسین مُور جیسے باغ میں

وہ ہار مُجھ کو یاد ہی کہا تھا دیکھ کر جسے
ہیں مُوتیے کے پھُول کم نہیں پہنتی ہیں اِسے

کرخت بو ہی سر میں درد ہو گا - دُور ڈال دو
نہیں تو کامنی کے پھُول چُن کے تُم نکال دو

وہ چوڑیوں کا پھیرنا کہا تھا دیکھ کر جنھیں
چُبھے گا اِن کا گو کھرو نہ پہنوں گی کبھی اِنھیں

کہو بدل کے لائیں ایسی چوڑیاں مجھے میاں
کہ تین تین بانکیں - چار چار ہوں کرملیاں

زری کریب سے وہ چڑھ کہ چبھتی ہے یہ خارسی
پسند صرف ململ اور گلبدن بنارسی

وہ ناپسند لونگ کا بھنویں چڑھا کے پھیرنا
وہ میری سمت پھر نظر کو مُسکرا کے پھیرنا

وہ صبح کو سویرے اُٹھ کے گشت خانہ باغ میں
وہ چھینکنا جو آئے اُڑ کے گُل کی بو دماغ میں

وہ تتلیوں سے کھیلنا جو بیٹھیں آ کے پھول پر
وہ بھاگنا جو بھنورے آئیں بھن بھنا کے پھول پر

گِلوریوں کی صورتیں وہ خوشنما نئی نئی
سُفید پان اُوپر اور اندر اُن کے پستئی

صفائی وہ کہ لوگ اُس پہ وہم کا گمان کریں
جو ایک پان کھائیں تو پچاس کُلّیاں کریں

گرا زُمرد ایک شب جو ٹوٹ کر بُلاق سے
"وہ" اُس کو ڈھونڈھنے لگیں چراغ لے کے طاق سے

مِری نِگاہ پڑ گئی تو چُپ رہا اُٹھا کے مَیں
"وہ" مُڑ کے دیکھنے لگیں تو ہنس پڑا چھپا کے میں

مِری ہنسی سے چڑھ کے پیچ و تاب کھا کے رہ گئیں
جو دے دیا تو جھینپیں اور مُسکرا کے رہ گئیں

غرض "وہ" میرے پاس ہیں اگرچہ دور گھر میں ہیں
جمال بن کے آنکھوں میں خیال بن کے سر میں ہیں

یہ سب ہیں اُن کو لکھ بھی دوں تو کیا یقین مان لیں؛
ضرور چال سمجھیں "وہ" ضرور جھوٹ جان لیں

تو خیر اب میں آپ ہی یقین بن کے جاؤں گا
مجسّم اعتبار ہو کے شکل "اُنھیں" دکھاؤں گا

وطن کی لہر آگئی - پہاڑ اب ہوا گراں
مگر ابھی تو پاؤں میں پڑی ہوئی ہیں بیڑیاں

فقط کچھونا ہی جو ہو تو اُٹھ کے میں لپیٹ لوں
ہزار کام پھیلے ہیں انھیں ذرا سمیٹ لوں

ہے آج پہلی چار ہفتوں تک نجات پاؤں گا
تو لکھ نہ دوں کہ تیسویں اگست کو میں آؤں گا

ہے شوق "اُن" کو پھولوں کا تو گملے لیتا جاؤں گا
یہاں کے پھولوں کی بہار "اُنھیں" وہیں دکھاؤں گا

میں اپنی شکل لے چلوں - یہ اُن کے دل کی بات ہے
ہزار تحفوں سے زیادہ ایک میری ذات ہے

وہ مُجھ سے چھیڑ ہی سہی - مگر ذرا نہیں تو پھر
نہ ہوں گی دِل سے وہ خفا - مگر خفا نہیں تو پھر

پسیجے جس سے "اِن" کا دِل وہ شکل اُنھیں دکھاؤں میں
یہ قسمیں کھا کے اُن سے اپنی بے بسی جتاؤں میں

قسم تمھاری آنکھوں کی ہے جب یہ فتنہ ساز ہوں
قسم پہ پھر قسم انھیں کی جب یہ نیم باز ہوں

قسم تمھارے ماتھے کی شکن جب اس پہ ڈالو تم
قسم تمھارے روٹھنے کی جب نہ بولو چالو تم

قسم تمھارے دانتوں کی ہے لب کو جب دبائے ہوں
قسم تمھارے ابروؤں کی بَل جب اِن میں آئے ہوں

قسم تمھاری خامشی کی جب نظر زبان ہو
بندھے تمھاری ٹکٹکی تو ایک داستان ہو

قسم تمھارے ہونٹھوں کی ہی جب نہ وار پاؤں میں
گلے کرو تم اس قدر کہ عذر بھول جاؤں میں

کہاں کی قسمیں۔ کیوں میں جاؤں اس غلط خیال پہ
محبت اُن کی غالب آہی جائے گی ملال پر

کہوں گا مُنہ سکھا کے میں کہ بدظنی گناہ ہی
تمھیں بس ایک دِل میں تھیں۔ خدا مرا گواہ ہی

تمھارے سب گلے بجا۔ تڑپ بجا۔ الم بجا
تمھاری سب شکایتیں تمھاری ہی قسم بجا

تمھارا شک بجا سہی۔ مگر غلط۔ مگر غلط
یہ آنکھیں بے وفا نہیں، تو پڑتی کیوں نظر غلط

ہٹاؤ لب سے دانت اب جو کوئی گر گیا تو پھر
یہ نازکی پہ ظلم ہی۔ نشان پڑ گیا تو پھر

بھوؤں کے بَل نِکل گئے۔ کمانیں اب اُتر چکیں
نگاہیں مِل کے کہتی ہیں کہ جنگ ختم کر چکیں

خوشی ہنسی کی شکل بن کے آگئی لبوں تلک
تم آرسی سے پوچھ لو جو میرے کہنے میں ہو شک

بس اِتنے ہی میں ہنس پڑیں گی ہو کے دل سے صاف وہ
کریں گی بے قصور کے قصور کو معاف وہ

عالم خیال
کا
چوتھا رُخ
اُمّید

شکر ہے تار آگیا۔ آئیں گے آج "وہ" ضرور — کیا میں کھنچی ہوئی رہوں اُن کی نظر سے دُور دُور

آنکھوں کو بند کرکے خواب اپنی نظر کو رُوک لُوں — پلکوں کے کانٹے ڈال کے راہ گزر کو روک لُوں

اُن کی صدا سُنیں جو کان پھر تو نہ ہو جگر سے صبر — پا کے اُنھیں نہ ہو سکے ترسی ہوئی نظر سے صبر

کیا میں جگر کو تھام لوں کیا میں نظر کو پھیر لوں — کیا وہ اُدھر سے آئیں تو رُخ میں اِدھر کو پھیر لوں

آئیں جو اُس طرف سے "وہ" رُخ کو میں پھیروں اس طرف — دل تو مگر اُنھیں کا ہے۔ اس کو میں پھیروں کس طرف

چین نہ ہو کلیجے کو یہ تو اُچھل اُچھل پڑے — راہ کھُلی ہی حلق کی مُنہ سے اگر نکل پڑے

خیر سے آئیں تو سہی۔ جنگ پہ ہوں تُلی ہوئی
آج سویرے ہی سے ہے جیب کی گرہ کھُلی ہوئی

مُجھ کو الگ ملیں گے تو سمجھوں گی میں ضرور ہی
رکھوں گی سیکڑوں قصور۔ لاکھ ہوں بے قصور ہی

کیا جو وہ چاہیں مُجھ سے رحم تب بھی ہیں کُچھ تنی ہوئی
کیا جو وہ ہنس کے کچھ کہیں تب بھی ہیں بُت بنی ہوئی

چاہے بھی دل جو اُن پہ رحم۔ اب نہیں پھر کبھی کروں
جتنی رُکھائی بن پڑے آج تو میں سبھی کروں

پاتے ہی آہٹ اُن کی میں بھاگ کے مُنہ چھپاؤں گی
اُوڑھ لپیٹ کے الگ تخت پہ بیٹھ جاؤں گی

بن کے خفا کروں گی آج اتنا حجاب اُن سے میں
جیسے ہیں کوئی اور ہوں۔ جیسے وہ کوئی اور ہیں

بات کوئی نکل ہی جائے لاکھ میں مُنہ سیئے رہوں
”آپ سے بات چیت کھُٹ“ یہ تو ضرور ہی کہوں

ترسی ہوئی ہیں پُتلیاں چین نہ لیں گی پا کے یہ
خوب کریں گی تاک جھانک اُن کی نظر بچا کے یہ

چوری چُھپے کی دیکھ بھال۔ بات مزے کی ہے یہی
دیکھوں ہیں اور نہ دیکھیں وہ گھات مزے کی ہے یہی

اور جو وہ سمجھ گئے پھر تو بگڑ گیا یہ کھیل
پھر نہ چلے یہ میری چال۔ پھر نہ منڈھے چڑھے یہ بیل

آنے کے وقت ہیں کئی۔ کون کہے کب آئیں گے
میرے نصیب سے وہ آج کاہے کو ریل پائیں گے

تار میں دِن تو لکھ گئے۔ وقت کو چھوڑ ہی دِیا
جھگڑے میں اِنتظار کو ڈال دِیا غضب کیا

اور اگر نہ آئے وہ۔ ہائے یہ شک ستم کا ہی
آمرے دل میں اے امید وقت ترے کرم کا ہی

شک کو نکالتی ہوں میں۔ یاس کو ٹالتی ہوں میں
تیرے سہارے لے اُمید دِل کو سنبھالتی ہوں میں

پھڑکے ہزار بار آنکھ۔ اس کو تو کچھ نہ جانوں گی
دِل مرا دے گا آسرا تو میں یقین مانوں گی

بول اُٹھا وہ میرا دِل کہتا ہی آرہے ہیں "وہ"
میرے لئے بہت سا چین تحفے میں لا رہے ہیں "وہ"

جی سے ہنسی ہوں آج ہی دیکھ کے اُن کا تار میں
رکھتی ہوں اور اُٹھاتی ہوں، پڑھتی ہوں بار بار میں

تھی میں سڑن سی کل تلک آج نہیں ہی کچھ جنون
دِل کو قرار آگیا جیسے مرض کو ہو سکون

لطف مِرے دماغ کا خوب بڑھا ہوا ہی آج
آپ ہی آپ نشہ سا مجھ کو چڑھا ہوا ہی آج

کل مرے سر میں درد تھا۔ آج ہی کچھ غرور سا
کل مرے دل میں رنج تھا۔ آج ہی کچھ سرور سا

گھر کی زمین جاگ اُٹھی صحن پہ نور چھا گیا
آئیں گے وہ ضرور ہی۔ مجھ کو یقین آگیا

دِن کی گھڑی گھڑی مجھے اب تو پہاڑ ہو گئی
دیر کو اور کیا کہوں۔ راہ میں ریل سو گئی

کچھ نہیں۔ آرہے ہیں وہ۔ دِل سے خبر میں پاچکی
یاس مری اُمید سے دَب کے شکست کھا چکی

آئیں گے وہ تو میرے گھر ہوگی ضرور بھیڑ بھاڑ
بیٹھ کے میری ہم سنیں مجھ سے کریں گی چھیڑ چھاڑ

آج کی چُہلیں وہ نہ ہوں جن سے اکیلے لُٹ ہنسیں
دل بھی جگر بھی۔ جان بھی۔ چُپکے ہی چُپکے سب ہنسیں

رُک نہ سکے ہنسی مگر کُھلنے نہ دوں ہنسی کا بھید
کہہ کے ہنسی کی کوئی بات اُسمیں چھپاؤں جی کا بھید

کچھ ہی خبر بھی لے چکو آئے گا کون گھر میں آج
چاند سے تیرے بڑھ کے چاند ہوگا مری نظر میں آج

آکے پپیہے پیڑ پر اب جو کہیں گے "پی کہاں"
ہنس کے کہوں گی اُسسے میں بیٹھے ہیں دیکھو پی یہاں"

صبح کو تار آنے پر میں نے جو دیکھی آرسی
چہرے کے خشک پھول پر آئی نظر بہار سی

جیسے جہان بھر کا رس آنکھوں میں بھر گیا ہی آج
جیسے چمک سی آگئی رنگ نکھر گیا ہی آج

مانی تھیں جتنی منتیں ہوں گی وہ پوری آج سب
بیٹھی ہوں در کو تاکنے بھول کے کام کاج سب

کیا ستم اِنتظار کا صبح سے میرے جی پہ ہی
در پہ کبھی مری نظر اور کبھی گھڑی پہ ہی

آنے میں شک نہیں۔ مگر کرتی ہی دیر بے قرار
مجھ کو سڑک کی گاڑیاں دیتی ہیں دھوکے باربار

جتنی خوشی ہے دل کو آج اُن کے وطن مین آنے کی
اُتنی ہی فکر ہی مجھے اُن کو ذرا ستانے کی

مجھ کو رُلا چکے بہت ۔ جان عذاب میں رہی
کچھ تو عوض میں لوں ہی گی اوپری دل ہی سے سہی

اُن کو نہ دوں خوشی کی چھاؤں اُن پہ ہنسی نہ کھلنے دوں
کس کے دباؤں دونو ہونٹھ ۔ دانت کبھی نہ کھلنے دوں

دیکھوں نہ پلکیں کھول کے کتنا ہی چاہے میرا جی
سامنے اپنی آنکھوں کے گھیرے رہوں قنات سی

ہاتھ پہ رکھ کے اپنا گال بیٹھی رہوں جھکائے سر
پلکیں کھلیں بھی تو رہے میری نگاہ تخت پر

ڈالوں پھر آنچل اس طرح جس سے نظر کی آڑ ہو
رُخ کو جدھر سے تاکیں وہ آنچل اُدھر کی آڑ ہو

جھک کے جو چاہیں دیکھنا ہاتھوں سے منہ چھپاؤں میں
کھول کے کچھ کچھ اُنگلیاں جھانک کے مسکراؤں میں

کچھ جو وہ دیں تو یُوں نہ لُوں لُوں تو نہیں نہیں کے بعد
لاکھ رُکاوٹوں کے بعد لاکھ چُنیاں چنیں کے بعد

بول اُٹھوں تو ہو جُدا اُن سے روش زبان کی
وہ جو کہیں زمین کی میں کہوں آسمان کی

چھیڑ کے بدگمانیاں اپنی ہی رکھوں ٹیک میں
لاکھ نہیں نہیں کریں ۔ اُن کی نہ مانوں ایک میں

عُذر کریں تو یوں سُنوں جیسے میں سُنتی ہی نہیں
بیٹھی رہوں وہیں مگر جیسے ہُوں اور ہی کہیں

گھونگھٹ اگر نکالوں میں اُس کو تو خیر اُٹھائیں "وہ"
ماتھے پہ ڈالوں جو گرہ اُس کو نہ کھول پائیں "وہ"

آہی چلے اگر ہنسی ہونٹھوں پہ چھیڑ چھاڑ میں
ہاتھ میں لے کے پنکھیا مُنہ کو چھپاؤں آڑ میں

بات بناؤں۔ کھل پڑے کچھ جو ہنسی ہی میں مُنہ
باچھوں کو پونچھنے لگوں دیکھ کے آرسی میں مُنہ

سیکڑوں جھگڑوں میں آج اُن کو میں ڈالوں تو سہی
ساری کسر پہاڑ کی اُن سے نکالوں تو سہی

مجھ سے وہ مانگیں یا نہیں دوں گی ضرور پان میں
پھیر کے مُنہ بڑھاؤں گی ہاتھوں سے خاصدان میں

وہ کہیں "لڑ چکیں تم اب" تو میں کہوں کہ "جی نہیں"
وہ کہیں "دے چکیں سزا" تو میں کہوں "ابھی نہیں"

ہو کے بلا میں اُن کے سر آج پڑوں ضرور ہی
جی میں ہنسا کروں۔ مگر مُنہ سے لڑوں ضرور ہی

طعنوں سے کان پاٹ دوں۔ مانوں نہ اُن کی روک تھام
توبہ وہ مجھ سے بول جائیں تو مرا مُنہ ہی نام

لوں قسم کہ پھر نہ جائیں، جائیں تو ساتھ لے کے جائیں
اور اگر نہ لے کے جائیں تو مجھے زہر دے کے جائیں

تجھ سے مدد میں لے زباں مانگتی ہوں ذری سی آج
چاہے دل اُن کی سی کہے۔ تو کہے میری ہی سی آج

جتنی دلیر بنتی ہوں اُتنی میں ہوں بھی یا نہیں
دل کی کڑی میں کیا بنوں اُن کا سا دل مرا نہیں

بس ہے زبان پر ضرور۔ اس کو سکھاؤں جنگ ہیں
لیکن اُڑاؤں کس طرح رُخ سے خوشی کا رنگ ہیں

آنکھیں ہیں پیاسی دید کی۔ اِن کی نگاہیں کیا کہیں
وہ جو ہوں سامنے تو یہ میرے جھکائے کیا جھکیں

"ہونٹھوں پہ آئی وہ ہنسی" کہیں اور ہنسائیں تو!
لاکھ دباؤں ہونٹھ میں۔ دانت جو کھل ہی جائیں تو!

دِل میں جو گدگدی سی ہو۔ رُک نہ سکے کبھی ہنسی
باتیں ہی یہ ہنسی کی ہیں۔ آنے لگی ابھی ہنسی

اُف مجھے اِس کا سوچ کیا۔ جی سے تو میں خفا نہیں
رُوٹھ تو لیتی ہیں۔ مگر۔ عورتیں بے وفا نہیں

دِل میں بسے ہوئے ہیں وہ اس میں خیال اُنھیں کا ہے
دِل مرا ہے وہ آئینہ جس میں جمال اُنھیں کا ہے

یہ ہو درست۔ وہ ہو صاف گھر میں یہی ہے ذکر اَب
کمرے کو میں سجا چکی۔ رہ گئی اپنی فکر اَب

تار مرے بُلاق کا ٹوٹ گیا اُلجھ کے رات
ٹھیک کرا نہ لوں ابھی۔ یہ تو ہے اِک ذری سی بات

لونگ بھی ناک میں نہیں دیکھ کے مُنہ کہیں گے آیں!
دیور اگر نہ لائے تو اُن سے یہ کیا کہوں گی میں

شوق جو آئے تو یہ بات حلق تک آکے رہ گئی
سمجھی کہ وہ نہ لیں گے دام چُپ میں لجا کے رہ گئی

ہیرے کی اِک نفیس لونگ لائے تھے پرسوں ہیم راج
لی نہ گراں سمجھ کے تب سستی سمجھ کے لوں گی آج

ہاتھوں میں بانکیں کم رہیں۔ ٹوٹ گے گر گئیں کئی — پہنوں گی اب نہا کے میں رکھّی ہیں چوڑیاں نئی

مجھ کو بھی سادگی پسند۔ اُن کو بھی سادگی پسند — پہنوں سفید ہی لباس۔ ہوگا اُنھیں یہی پسند

بیلیں ہوں یا ہوں بوٹیاں چُبھتی ہیں کامدانیاں — چند دوپٹّے پھاڑ لوں۔ رکھّی ہیں جامدانیاں

لائی ہے اچھن ایک بیل۔ تیپچی اُس کی کچھ نہیں — ہلکی بہت ہی شربتی۔ چھپی گئی ہے کہیں کہیں

صُبح سے میرے سر ہے وہ۔ کہتی ہوں لوں میں یا نہ لوں — بیل کٹاؤ کی ابھی چوک سے کیوں منگا نہ لوں

اُجلے لباس کے لئے اُجلا ہی سب رہے بناؤ — بُندے وہ آج پہنوں گی ہیرے کا جن میں ہے جڑاؤ

ہاتھوں کی چوڑیاں بھی ہیں ہیروں ہی سے جڑی ہوئی — اُن کے نصیب جاگے آج برسوں رہیں پڑی ہوئی

ہار میں گوندھ لوں اگر پھول ہوں خانہ باغ میں — اب کے برس تو موگرا گھر ہی میں کھلا نہ باغ میں

پھول اگر نہ ہوں تو خیر۔ کپڑے بسائے لیتی ہوں — کم ہے سُہاگچی میں رال سو میں منگائے لیتی ہوں

اے لو حضور آ گئے۔ بندی سنورتی ہی رہی! — بن نہ پڑا سنگار کچھ۔ حوصلہ کرتی ہی رہی

نیرنگِ جمال

حضرتِ شوق مرحوم کی ایک دلآویز نظم ہی جو مرحوم کی مخصوص زبان اور برگزیدہ انداز کا بہترین نمونہ ہی۔ اِس نظم میں طرح طرح کی دلفریب جدتیں ملحوظ رکھی گئی ہیں اور ایک مختصر سا افسانہ ایسی جادو بیانی کے ساتھ نظم ہوا ہی کہ جسکی نظیر ہماری زبان میں نہ ملیگی۔ مضمونکی سادگی اور جذبات کی مصوّری خاصکر قابلِ داد ہی۔ (چھوٹی خوشنما تقطیع) قیمت چار آنے علاوہ محصول۔ اور چھ آنیکے ٹکٹ آنے پر کتاب بذریعہ ڈاک روانہ ہوگی۔

پتہ

یوسفی پریس۔ فرنگی محل۔ لکھنؤ

(مشہور تاجران کتب سے بھی ملسکتی ہی)